زندگی بعدِ موت

[یہ تقریر ۱۰؍جون ۱۹۴۱ء کو نشرگاہ لاہور سے نشر کی گئی تھی اور آل انڈیا ریڈیو کی اجازت سے یہاں نقل کی جاتی ہے]

موت کے بعد کوئی دوسری زندگی ہے یا نہیں؟ اور ہے تو کیسی ہے؟ یہ سوال حقیقت میں ہمارے علم کی رسائی سے دور ہے۔ ہمارے پاس وہ آنکھیں نہیں ہیں جن سے ہم موت کی سرحد کے اُس پار جھانک کر دیکھ سکیں کہ وہاں کیا ہے اور کیا نہیں ہے۔ ہمارے پاس وہ کان نہیں جن سے ہم اُدھر کی کوئی آواز سن سکیں۔ ہم کوئی ایسا آلہ بھی نہیں رکھتے جس کے ذریعہ سے تحقیق کے ساتھ معلوم کیا جاسکے کہ اُدھر کچھ ہے یا کچھ نہیں ہے۔ لہٰذا جہاں تک سائنس کا تعلق ہے، یہ سوال اُسکے دائرے سے قطعی خارج ہے۔ جو شخص سائنس کا نام لیکر کہتا ہے کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے، وہ بالکل ایک غیر سائنٹفک بات کہتا ہے۔ سائنس کی رو سے نہ تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ کوئی زندگی ہے، اور نہ یہ کہ کوئی زندگی نہیں ہے۔ جب تک ہم کوئی یقینی ذریعۂ علم نہیں پاتے کم از کم اس وقت تک تو صحیح سائنٹفک رویہ یہی ہو سکتا ہے کہ ہم زندگی بعد موت کا نہ انکار کریں نہ اقرار۔

مگر کیا عملی زندگی میں ہم اس سائنٹفک رویہ کو نباہ سکتے ہیں؟ شائد نہیں ــ بلکہ یقیناً نہیں۔ عقلی حیثیت سے تو یہ ممکن ہے کہ جب ایک چیز کو جاننے کے ذرائع ہمارے پاس نہ ہوں تو اسکے متعلق ہم نفی اور اثبات دونوں سے پرہیز کریں۔ لیکن جب اسی چیز کا تعلق ہماری عملی زندگی سے ہو تو ہمارے لیے اِسکے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ یا تو انکار پر اپنا طرزِ عمل قائم کریں یا اقرار پر۔ مثلاً ایک شخص ہے جس سے آپ واقف نہیں ہیں۔ اگر اُسکے ساتھ آپکا کوئی معاملہ درپیش نہ ہو تب تو آپکے لیے یہ ممکن ہے کہ اسکے ایماندار ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کوئی حکم نہ لگائیں۔ لیکن جب آپکو اس سے معاملہ کرنا ہو تو

آپ مجبور ہیں کہ یا تو اسے ایماندار سمجھ کر معاملہ کریں یا بے ایمان سمجھ کر۔ اپنے ذہن میں آپ ضرور یہ خیال کر سکتے ہیں کہ جب تک اسکا ایماندار ہونا یا نہ ہونا ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک ہم شک کے ساتھ معاملہ کرینگے۔ مگر اسکی ایمانداری کو مشکوک سمجھتے ہوئے جو معاملہ آپ کرینگے عملاً اسکی صورت وہی تو ہو گی جو اسکی ایمانداری کا انکار کرنے کی صورت میں ہو سکتی تھی۔ لہذا فی الواقع انکار اور اقرار کے درمیان شک کی حالت صرف ذہن ہی میں ہو سکتی ہے۔ عملی رویہ کبھی شک پر قائم نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے تو اقرار یا انکار بہر حال ناگزیر ہے۔

یہ بات تھوڑے غور و فکر ہی سے آپکی سمجھ میں آسکتی ہے کہ زندگی بعد موت کا سوال محض ایک فلسفیانہ سوال نہیں ہے بلکہ ہماری عملی زندگی سے اس کا بہت گہرا تعلق ہے۔ دراصل ہمارے اخلاقی رویہ کا سارا انحصار ہی اسی سوال پر ہے۔ اگر میرا یہ خیال ہو کہ زندگی جو کچھ ہے بس یہی دنیوی زندگی ہے اور اسکے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے تو میرا اخلاقی رویہ ایک طرح کا ہوگا۔ اور اگر میں یہ خیال رکھتا ہوں کہ اسکے بعد ایک دوسری زندگی بھی ہے جس میں مجھے اپنی موجودہ زندگی کے کارنامے کا حساب دینا ہوگا اور وہاں میرا اچھا یا برا انجام میرے یہاں کے اعمال پر منحصر ہوگا تو یقیناً میرا اخلاقی طرز عمل بالکل ایک دوسری ہی طرح کا ہوگا۔ اسکی مثال یوں سمجھیے جیسے ایک شخص یہ سمجھتے ہوئے سفر کر رہا ہے کہ اسے بس یہاں سے بمبئی تک جانا ہے اور بمبئی پہنچ کر نہ صرف یہ کہ اس کا سفر ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیگا بلکہ وہاں وہ پولیس اور عدالت اور ہر اس طاقت کی دسترس سے باہر ہو گا جو اس سے کسی قسم کی باز پرس کر سکتی ہو۔ برعکس اسکے ایک دوسرا شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہاں سے بمبئی تک تو اسکے سفر کی صرف ایک ہی منزل ہے، اسکے بعد اسے سمندر پار ایک ایسے ملک میں جانا ہو گا جہاں کا بادشاہ وہی ہے جو ہندوستان کا بادشاہ ہے، اور اس بادشاہ کے دفتر میں میرے اس پورے کارنامہ کا خفیہ ریکارڈ موجود ہے جو میں نے ہندوستان میں انجام دیا ہے، اور وہاں میرے ریکارڈ کو جانچ کر فیصلہ کیا جائیگا کہ میں اپنے کام کے

لحاظ سے کس درجہ کا مستحق ہوں۔ آپ بآسانی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان دونوں شخصوں کا طرزِ عمل کس قدر ایک دوسرے سے مختلف ہوگا۔ پہلا شخص صرف یہاں سے بمبئی تک کے سفر کی تیاری کریگا، اور دوسرے کی تیاری بعد کی طویل منزلوں کے لیے بھی ہوگی۔ پہلا شخص یہ سمجھے گا کہ نفع یا نقصان جو کچھ بھی ہے بمبئی پہنچنے تک ہے، آگے کچھ نہیں۔ اور دوسرا یہ خیال کریگا کہ اصل نفع و نقصان سفر کے پہلے مرحلہ میں نہیں ہے بلکہ آخری مرحلہ میں ہے۔ پہلا شخص اپنے افعال کے صرف انہی نتائج پر نظر رکھے گا جو بمبئی تک کے سفر میں نکل سکتے ہیں۔ لیکن دوسرے شخص کی نگاہ اُن نتائج پر ہوگی جو سمندر پار، دوسرے ملک میں پہنچ کر نکلینگے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں شخصوں کے طرزِ عمل کا یہ فرق براہِ راست نتیجہ ہے انکی اس رائے کا جو وہ اپنے سفر کی نوعیت کے متعلق رکھتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہماری اخلاقی زندگی میں بھی وہ عقیدہ فیصلہ کن اثر رکھتا ہے جو ہم زندگی بعد موت کے بارے میں رکھتے ہیں۔ عمل کے میدان میں جو قدم بھی ہم اٹھائینگے اُسکی سمت کا تعین اس بات پر منحصر ہوگا کہ آیا ہم اسی زندگی کو پہلی اور آخری زندگی سمجھ کر کام کر رہے ہیں، یا کسی بعد کی زندگی اور اسکے نتائج کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ پہلی صورت میں ہمارا قدم ایک سمت میں اٹھیگا اور دوسری صورت میں اسکی سمت بالکل مختلف ہوگی۔

اس سے معلوم ہوا کہ زندگی بعد موت کا سوال محض ایک عقلی اور فلسفیانہ سوال نہیں ہے بلکہ عملی زندگی کا سوال ہے۔ اور جب بات یہ ہے تو ہمارے لیے اس معاملہ میں شک اور تردد کے مقام پر ٹھیرنے کا کوئی موقع نہیں۔ شک کے ساتھ جو رویہ ہم زندگی میں اختیار کرینگے وہ بھی لامحالہ انکار ہی کے رویہ جیسا ہوگا۔ لہٰذا ہم بہر حال اس امر کا تعین کرنے پر مجبور ہیں کہ آیا موت کے بعد کوئی اور زندگی ہے یا نہیں۔ اگر سائنس اس کے تعین میں ہماری مدد نہیں کرتا تو ہمیں عقلی استدلال سے مدد لینی چاہیے۔

اچھا تو عقلی استدلال کے لیے ہمارے پاس کیا مواد ہے؟ ہمارے سامنے ایک تو خود انسان ہے، اور دوسرا یہ نظام کائنات۔ ہم انسان کو اس نظام کائنات کے اندر رکھ کر دیکھینگے کہ جو کچھ انسان میں

ہے آیا اسکے سارے مقتضیات اس نظام میں پورے ہو جاتے ہیں یا کوئی چیز ایسی بھی رہ جاتی ہے جس کے لیے کسی دوسری نوعیت کے نظام کی ضرورت ہو۔

دیکھیے، انسان ایک تو جسم رکھتا ہے جو بہت سے معدنیات، نمکیات پانی اور گیسوں کا مجموعہ ہے اسکے جواب میں کائنات کے اندر بھی مٹی، پتھر، دھاتیں، نمک، گیس، ہوا، اور اسی جنس کی دوسری چیزیں موجود ہیں۔ ان چیزوں کو کام کرنے کے لیے جتنے قوانین کی ضرورت ہے وہ سب اس کائنات کے اندر کار فرما ہیں اور جس طرح وہ باہر کی فضا میں پہاڑوں، دریاؤں، اور ہواؤں کو اپنے حصہ کا کام پورا کرنیکا موقع دے رہے ہیں اسی طرح انسانی جسم کو بھی ان قوانین کے تحت کام کرنیکا موقع حاصل ہے۔

پھر انسان ایک ایسا وجود ہے جو گرد و پیش کی چیزوں سے غذا لے کر بڑھتا اور نشو و نما حاصل کرتا ہے۔ اسی جنس کے درخت، پودے اور گھاس پھونس کائنات میں بھی موجود ہیں، اور وہ قوانین بھی یہاں پائے جاتے ہیں جو نشو و نما پانے والے اجسام کے لیے درکار ہیں۔

پھر انسان ایک زندہ وجود ہے جو اپنے ارادہ سے حرکت کرتا ہے، اپنی غذا خود اپنی کوشش سے فراہم کرتا ہے، اپنے نفس کی آپ حفاظت کرتا ہے، اور اپنی نوع کو باقی رکھنے کا انتظام کرتا ہے۔ کائنات میں اس جنس کی بھی دوسری بہت سی قسمیں موجود ہیں۔ خشکی، تری اور ہوا میں بیشمار حیوانات پائے جاتے ہیں۔ اور وہ قوانین بھی بتمام و کمال یہاں کار فرما ہیں جو ان زندہ ہستیوں کے پورے دائرۂ عمل پر حاوی ہونے کے لیے کافی ہیں۔

ان سب سے اوپر انسان ایک اور نوعیت کا وجود بھی رکھتا ہے جسکو ہم اخلاقی وجود کہتے ہیں۔ اسکے اندر نیکی اور بدی کا شعور ہے، نیک اور بد کی تمیز ہے، نیکی اور بدی کرنے کی قوت ہے، اور اسکی فطرت یہ مطالبہ کرتی ہے کہ نیکی کا اچھا اور بدی کا برا نتیجہ ظاہر ہو۔ وہ ظلم اور انصاف، سچائی اور جھوٹ، حق اور ناحق، رحم اور بے رحمی، احسان اور احسان فراموشی، فیاضی اور بخل، امانت اور خیانت،

اور ایسی ہی مختلف اخلاقی صفات کے درمیان فرق کرتا ہے - یہ صفات عملاً اسکی زندگی میں پائی جاتی ہیں اور یہ محض خیالی چیزیں نہیں ہیں بلکہ بالفعل ان کے اثرات انسانی تمدن پر مترتب ہوتے ہیں - لہذا انسان جس فطرت پر پیدا ہوا ہے اس کا شدّت کے ساتھ یہ تقاضا ہے کہ جس طرح اسکے افعال کے طبعی نتائج رونما ہوتے ہیں اُسی طرح اخلاقی نتائج بھی رونما ہوں -

مگر نظام کائنات پر گہری نگاہ ڈال کر دیکھیے کیا اس نظام میں انسانی افعال کے اخلاقی نتائج پوری طرح رونما ہو سکتے ہیں؟ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہاں اسکا امکان نہیں ہے - اس لیے کہ یہاں اس کا انتظام ہی نہیں کیا گیا ہے - انسان کے سوا یہاں، کم از کم ہمارے علم کی حد تک، کوئی دوسری ایسی مخلوق نہیں پائی جاتی جو اخلاقی وجود رکھتی ہو - سارا نظام کائنات طبعی قوانین کے تحت چل رہا ہے، اخلاقی قوانین کسی طرف کارفرما نظر نہیں آتے - یہاں روپے میں وزن اور قیمت ہے مگر سچائی میں نہ وزن ہے نہ قیمت - یہاں آم کی گٹھلی سے ہمیشہ آم پیدا ہوتا ہے، مگر حق پرستی کا بیج بونے والے پر کبھی پھولوں کی بارش ہوتی ہے اور کبھی، بلکہ اکثر جوتیوں کی - یہاں مادّی عناصر کے لیے مقرر قوانین ہیں جنکے مطابق ہمیشہ مقرر نتائج نکلتے ہیں مگر اخلاقی عناصر کے لیے کوئی مقرر قانون نہیں ہے کہ انکی فعلیت سے ہمیشہ مقرر نتیجہ نکل سکے - طبعی قوانین کی فرمانروائی کے سبب سے اخلاقی نتائج کبھی تو نکل ہی نہیں سکتے، کبھی نکلتے ہیں تو صرف اُس حد تک جسکی اجازت طبعی قوانین دیدیں، اور بارہا ایسا بھی ہوتا ہے کہ اخلاق ایک فعل سے ایک خاص نتیجہ نکلنے کا تقاضہ کرتا ہے مگر طبعی قوانین کی مداخلت سے نتیجہ بالکل برعکس نکل آتا ہے انسان نے خود اپنے تمدنی وسیاسی نظام کے ذریعہ سے تھوڑی سی کوشش اس امر کی کی ہے کہ انسانی اعمال کے اخلاقی نتائج ایک مقرر ضابطہ کے مطابق برآمد ہو سکیں مگر یہ کوشش بہت محدود پیمانہ پر ہے اور بے حد ناقص ہے - ایک طرف طبعی قوانین اسکو محدود اور ناقص بناتے ہیں اور دوسری طرف انسان کی اپنی بہت سی کمزوریاں اس انتظام کے نقائص میں اور زیادہ اضافہ کرتی ہیں -

میں اپنے مدعا کی توضیح چند مثالوں سے کرونگا۔ دیکھیے ایک شخص اگر کسی دوسرے شخص کا دشمن ہو اور اسکے گھر میں آگ لگادے تو اسکا گھر جل جائیگا۔ یہ اسکے فعل کا طبعی نتیجہ ہے۔ اس کا اخلاقی نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ اس شخص کو اتنی ہی سزا ملے جتنا اس نے ایک خاندان کو نقصان پہنچایا ہے۔ مگر اس نتیجہ کا ظاہر ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ آگ لگانے والے کا سُراغ ملے، وہ پولیس کے ہاتھ آسکے، اس پر جرم ثابت ہو، عدالت پوری طرح اندازہ کر سکے کہ آگ لگنے سے اس خاندان کو اور اسکی آئندہ نسلوں کو ٹھیک کتنا نقصان پہنچا ہے، اور پھر انصاف کے ساتھ اس مجرم کو اتنی ہی سزا دے۔ اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط بھی پوری نہ ہو تو اخلاقی نتیجہ یا تو بالکل ہی ظاہر نہ ہوگا یا اس کا صرف ایک تھوڑا سا حصہ ظاہر ہو کر رہ جائیگا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے حریف کو برباد کر کے وہ شخص دنیا میں مزے سے پھولتا پھلتا رہے۔

اس سے بڑے پیمانے پر ایک اور مثال لیجیے۔ چند اشخاص اپنی قوم میں اثر پیدا کر لیتے ہیں اور ساری قوم ان کے کہے پر چلنے لگتی ہے۔ اس پوزیشن سے فائدہ اٹھا کر وہ لوگوں میں قوم پرستی کا اشتعال اور ملک گیری کا جذبہ پیدا کرتے ہیں، گرد و پیش کی قوموں سے جنگ چھیڑ دیتے ہیں، لاکھوں آدمیوں کو ہلاک کرتے ہیں، ملک کے ملک تباہ کر ڈالتے ہیں، کروڑوں انسانوں کو ذلیل اور پست زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتے ہیں، اور انسانی تاریخ پر اُنکی کارروائیوں کا ایسا زبردست اثر پڑتا ہے جس کا سلسلہ آئندہ سینکڑوں برس تک پُشت در پشت اور نسل در نسل پھیلتا چلا جائیگا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ چند اشخاص جس جرم عظیم کے مرتکب ہوئے ہیں اس کی مناسب اور منصفانہ سزا ان کو کبھی اپنی دنیوی زندگی میں مل سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ اگر ان کی بوٹیاں بھی نوچ ڈالی جائیں، اگر ان کو زندہ جلا ڈالا جائے، یا کوئی اور ایسی سزا دی جائے جو انسان کے بس میں ہے، تب بھی کسی طرح وہ اس نقصان کے برابر سزا نہیں پا سکتے جو انہوں نے کروڑہا انسانوں کو اور انکی آئندہ بے شمار نسلوں کو پہنچایا ہے۔ موجودہ نظام

کائنات جن طبعی قوانین پر چل رہا ہے انکے تحت کسی طرح یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اپنے جرم کے برابر سزا پا سکیں۔

اسی طرح اُن نیک انسانوں کو لیجیے جنہوں نے نوع انسانی کو حق اور راستی کی تعلیم دی اور ہدایت کی روشنی دکھائی ہے جنکے فیض سے بیشمار انسانی نسلیں صدیوں سے فائدہ اٹھا رہی ہیں اور نہ معلوم آئندہ کتنی صدیوں تک اٹھاتی چلی جائینگی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسے لوگوں کی خدمات کا پورا صلہ انکو اس دنیا میں مل سکے؟ کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ موجودہ طبعی قوانین کی حدود کے اندر ایک شخص اپنے اُس عمل کا پورا صلہ حاصل کر سکتا ہے جس کا ردِعمل اسکے مرنے کے بعد ہزاروں برس تک اور بے شمار انسانوں تک پھیل گیا ہو؟

جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں اول تو موجودہ نظام کائنات جن قوانین قدرت پر چل رہا ہے انکے اندر اتنی گنجائش ہی نہیں ہے کہ انسانی افعال کے اخلاقی نتائج پوری طرح مترتب ہو سکیں، دوسرے یہاں چند سال کی زندگی میں انسان جو عمل کرتا ہے اس کے ردِعمل کا سلسلہ اتنا وسیع ہوتا ہے اور اتنی مدت تک جاری رہتا ہے کہ صرف اسی کے پورے نتائج وصول کرنے کے لیے ہزاروں بلکہ لاکھوں برس کی زندگی درکار ہے اور موجودہ قوانین قدرت کے ماتحت انسان کو اتنی زندگی ملنی ناممکن ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسانی ہستی کے خاکی، عضوی اور حیوانی عناصر کے لیے تو موجودہ طبعی دنیا (Physical world) اور اسکے طبعی قوانین کافی ہیں، مگر اس کے اخلاقی عنصر کے لیے یہ دنیا بالکل ناکافی ہے۔ اس کے لیے ایک دوسرا نظام عالم درکار ہے جس میں حکمراں قانون (Governing Law) اخلاق کا قانون ہو اور طبعی قوانین اس کے ماتحت محض مددگار کی حیثیت سے کام کریں۔ جس میں زندگی محدود نہ ہو بلکہ غیر محدود ہو۔ جس میں وہ تمام اخلاقی نتائج جو یہاں مترتب ہونے سے رہ گئے ہیں یا اُلٹے مترتب ہوئے ہیں، اپنی صحیح صورت میں پوری طرح مترتب ہو سکیں۔ جہاں سونے اور چاندی کے بجائے

نیکی اور صداقت میں وزن اور قیمت ہو - جہاں آگ صرف اُس چیز کو جلائے جو اخلاقاً جلنے کی مستحق ہو جہاں عیش اس کو ملے جو نیک ہو اور مصیبت اسکے حصہ میں آئے جو بد ہو - عقل چاہتی ہے، فطرت مطالبہ کرتی ہے کہ ایسا ایک نظام عالم ضرور ہونا چاہیے -

جہاں تک عقلی استدلال کا تعلق ہے، وہ ہم کو صرف "ہونا چاہیئے" کی حد تک پہنچا کر چھوڑ دیتا ہے - اب رہا یہ سوال کہ آیا واقع میں ایسا کوئی عالم ہے بھی، تو ہماری عقل اور ہمارا علم دونوں اس کا حکم لگانے سے عاجز ہیں - یہاں قرآن ہماری مدد کرتا ہے - وہ کہتا ہے کہ تمہاری عقل اور تمہاری فطرت جس چیز کا مطالبہ کرتی ہے فی الواقع وہ ہونے والی ہے اور اسی طرح ہونے والی ہے موجودہ نظام عالم جو طبعی قوانین پر بنا ہے، ایک وقت میں توڑ ڈالا جائیگا - اس کے بعد ایک دوسرا نظام بنے گا جس میں زمین و آسمان اور ساری چیزیں ایک دوسرے ڈھنگ پر ہونگی - پھر اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو جو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک پیدا ہوئے تھے، دوبارہ پیدا کریگا اور بیک وقت ان سب کو اپنے سامنے جمع کریگا - وہاں ایک ایک شخص کا، ایک ایک قوم کا، اور پوری انسانیت کا ریکارڈ ہر غلطی اور ہر فروگذاشت کے بغیر محفوظ ہوگا - ہر شخص کے ایک ایک عمل کا جتنا ردِ عمل دنیا میں ہوا ہے اسکی پوری روداد موجود ہوگی - وہ تمام نسلیں گواہوں کے کٹہرے میں حاضر ہونگی جو اس ردِ عمل سے متاثر ہوئیں - ایک ایک ذرہ جس پر انسان کے اقوال اور افعال کے نقوش ثبت ہوئے، اپنی داستان سنائیگا - خود انسان کے ہاتھ اور پاؤں اور آنکھ اور زبان اور تمام اعضاء شہادت دینگے کہ ان سے اس نے کس طرح کام لیا - پھر اس روداد پر وہ سب سے بڑا حاکم پورے انصاف کے ساتھ فیصلہ کریگا کہ کون کتنے انعام کا مستحق ہے اور کون کتنی سزا کا - یہ انعام اور یہ سزا دونوں چیزیں اتنے بڑے پیمانے پر ہونگی جس کا کوئی اندازہ موجودہ نظام عالم کی محدود مقداروں کے لحاظ سے نہیں کیا جا سکتا - وہاں وقت اور جگہ کے معیار کچھ اور ہونگے، وہاں کی مقداریں کچھ

اور ہونگی، وہاں کے قوانین قدرت کسی اور قسم کے ہونگے۔ انسان کی جن نیکیوں کے اثرات دنیا
میں ہزاروں برس پھیلتے رہے ہیں وہاں وہ ان کا بھرپور صلہ وصول کر سکیگا بغیر اسکے کہ موت اور
بیماری اور بڑھاپا اسکے عیش کا سلسلہ توڑ سکیں۔ اور اسی طرح انسان کی جن برائیوں کے اثرات
دنیا میں ہزار ہا برس تک اور بیشمار انسانوں تک پھیلتے رہے ہیں، وہاں وہ انکی پوری سزا
بھگتے گا بغیر اسکے کہ موت اور بیہوشی آکر اسے تکلیف سے بچا سکے۔

ایسی ایک زندگی اور ایسے ایک عالم کو جو لوگ ناممکن سمجھتے ہیں، مجھے انکے ذہن کی تنگی پر
ترس آتا ہے۔ اگر ہمارے موجودہ نظام عالم کا موجودہ قوانین قدرت کے ساتھ موجود ناممکن ہے تو
آخر ایک دوسرے نظام عالم کا دوسرے قوانین کے ساتھ وجود میں آنا کیوں ناممکن ہو؟ البتہ یہ بات
کہ واقع میں ایسا ضرور ہوگا، تو اس کا تعین نہ دلیل سے ہو سکتا ہے اور نہ علمی ثبوت سے۔ اسکے
لیے ایمان بالغیب کی ضرورت ہے۔

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم

جس میں اسلامی تحریک کے اصول و مقاصد اور طریق کار کی پوری توضیح کی گئی ہے، اور
یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کے نصب العین، یعنی حکومت الٰہیہ کے قیام کی جدوجہد کے لیے
کس طرح کی جماعت درکار ہے۔ قیمت ۸؍

دفتر ترجمان القرآن مبارک پارک لاہور سے

طلب فرمائیے